۱۸

احبابِ جماعت کی تربیت کیلئے تحریک جدید کے جلسے کئے جائیں

(فرمودہ ۱۷ / جون ۱۹۳۸ء)

تشہّد ، تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

''عقلمند اور پاگل ، مؤمن اور منافق میں یہی فرق ہوتا ہے کہ عقلمند اور مؤمن کے اقوال اور افعال میں اختلاف اور تضاد نہیں ہوتا لیکن پاگل اور منافق کے کاموں اور قولوں میں تضاد پایا جاتا ہے۔ یہی ایک علامت ہے جس کے ذریعہ سے پاگل اور منافق و مؤمن اور عقلمند کو پہچانا جا سکتا ہے۔ اگر کسی شخص کو ہم دیکھیں کہ وہ کسی چیز کی تعریف کر رہا ہے لیکن وہ چیز جب اسے میسر آ رہی ہو تو اسے چھوڑ کر چلا جاتا ہے اور اسے حاصل کرنے کی کوئی کوشش نہیں کرتا تو ہم سمجھیں گے کہ اس کا تعریف کرنا بناوٹ تھی۔ اگر واقع میں وہ اس کے نیک اثرات کا قائل ہوتا تو جب وہ اسے میسر آ رہی تھی تو اسے کیوں نہ لیتا۔ پس اس کی تعریف یا تو پاگلانہ تھی یا منافقانہ، گو یہ جنون یا منافقت حالات کے ماتحت کم و بیش درجہ کی ہوگی۔ چنانچہ قرآن کریم نے عارضی حالت کا نام جہالت رکھا ہے۔ اور وہ جہالت جو عارضی طور پر بعد علم کے انسان پر غالب ہوتی ہے جنون کی ہی ایک قسم ہے۔ جیسا کہ آجکل کی طبی تحقیق میں ایسے جرائم کا موجب جو انسان کے عقیدہ اور مسلّمات کے خلاف اس سے سرزد ہوں۔ ایک قسم کے جنون کا دورہ ہی بتایا گیا ہے،

تیسری کوئی صورت نظر نہیں آتی ۔ یہ تو ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کو کوئی چیز اچھی نظر آئے مگر وہ اسے ملتی نہ ہو۔ اس صورت میں ہم اسے پاگل یا منافق نہیں کہیں گے کیونکہ اگر وہ اس کی تعریف کرتا ہے تو اپنے عقیدہ کا اظہار کرتا ہے اور چونکہ اسے عمل کا موقع نہیں ملا اس لئے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔ اگر اسے عمل کا موقع ملے اور وہ غفلت برتے یا لاپرواہی سے کام لے تو بے شک ہم کہیں گے کہ یا تو اس کی تعریف منافقانہ اور پاگلانہ تھی اور یا پھر اب اس پر جنون کا دورہ ہو گیا ہے۔ جس کے ماتحت یہ اس چیز کی نیکی اور خوبی کو بھول گیا ہے۔

اس اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے اب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک مسلمان متواتر بلا ناغہ اور دن میں کئی کئی بار اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ[۲] کہتا ہے گویا وہ اقرار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑی تعریف والا ہے، کیوں اس لئے نہیں کہ مجھ پر احسان کرتا ہے، اس لئے نہیں کہ میری خبر گیری کرتا ہے، بلکہ وہ اس لئے تعریف کا مستحق ہے کہ رب العٰلمین ہے اور ساری دنیا کا خیال رکھتا ہے۔ رات دن، صبح وشام، دوپہر غرض کہ ہر لحظہ اور ہر روز اور ہر ہفتہ اور ہر مہینہ اور ہر سال وہ اس امر کا اقرار کرتا چلا جاتا ہے۔ بلوغت سے لے کر موت تک کبھی کھڑے اور کبھی بیٹھے، کبھی لیٹے، کبھی ان معیّن الفاظ میں اور کبھی عام فقرہ کی صورت میں ہم اس مضمون کو بیان کرتے ہیں۔ کبھی تو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہی کہتے ہیں اور کبھی دوسری دعائیں کرتے ہیں جن کا مطلب بھی دراصل یہی ہے۔ جب سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِيْمُ یا سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہتے ہیں یا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتے ہیں تو اس کا بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کیونکہ یہ سب باتیں ربوبیت عالمین پر دلالت کرتی ہیں۔ خدا تعالیٰ کی سب سے زیادہ تعریف کیوں ہے؟ اس لئے کہ وہ سب کا رب ہے اور اس کے سوا اَور کوئی ربوبیت کرنے والا نہیں۔ پس بعض حالتوں میں انہی الفاظ میں اور بعض حالتوں میں دوسرے الفاظ میں ہم اللہ تعالیٰ کی یہ صفت بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ واہ واہ ہمارا رب کیسا اچھا ہے ساری دنیا کی ربوبیت کرتا ہے لیکن غور کرنا چاہئے کہ ہمارے لئے بھی تو ربوبیت کے مواقع آتے ہیں۔ اگر ربوبیت اچھی چیز ہے تو ہمیں بھی یہ صفت اپنے اندر پیدا کرنی چاہئے۔ اگر ہم اسے پیدا کرتے ہیں تو ہمارا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہنے کا دعویٰ سچا اور مؤمنانہ ہے۔ ورنہ یہ منافقانہ یا پاگلانہ ہے۔ مؤمن کیلئے

یہ بات کتنی اہمیت رکھنے والی ہے کہ جس چیز کی تعریف وہ اس قدر تواتر کے ساتھ کرتا ہے، اسے خود بھی اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے یا نہیں۔ انسان ایک دفعہ بھی جو بات زبان سے نکال دے اس پر اس کا قائم رہنا ضروری ہوتا ہے۔ مگر جس بات کو دن میں تیس چالیس مرتبہ دُہرائے لیکن جب عمل کا وقت آئے تو اسے نظر انداز کر دے۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ صفت رب العٰلمین کی کوئی حقیقت اس کے نزدیک نہیں ہے اسی لئے وہ اسے اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ بعض حالتوں میں تو مَیں نے دیکھا ہے کہ بیوی بچے بھی انسان کی اس صفت سے محروم رہتے ہیں۔ بعض لوگ اپنے بچوں کی روٹی اور لباس کی تو بڑی فکر رکھتے ہیں لیکن انہیں نماز کا پابند بنانے کی طرف ان کی کوئی توجہ نہیں ہوتی۔ پھر بعض لوگوں کے دلوں میں تعلیم کی قدر ہوتی ہے اس لئے وہ بچوں کو تعلیم دلاتے ہیں۔ بعض کے نزدیک آدابِ مجلس کی قدر ہوتی ہے اس لئے ان کو یہ باتیں اچھی طرح سکھاتے ہیں۔ بعض ادیب ہوتے ہیں اور وہ اس بات کا بڑا خیال رکھتے ہیں کہ ان کے بچوں کی زبان درست ہو۔ جو اپنے پیشہ کو ہمیشہ عزیز رکھتے ہیں وہ اس سے اپنے بچوں کو پوری طرح واقف کرتے ہیں۔ زمیندار اپنے بچوں کو ہل چلانا اور دوسرے زمیندارہ کام کرنا سکھاتا ہے۔ ان کو موسموں کے حالات اور ان کے تغیرات کا فصلوں پر اثر بتاتا ہے۔ انہیں وہ امثال سکھاتا ہے جس میں بیان ہوتا ہے کہ کون سی فصل کیلئے کس موسم میں پانی اچھا ہوتا ہے۔ کب گوڈی اچھی ہوتی ہے۔ پھر اگر کوئی لوہار یا ترکھان ہے تو وہ اپنے بچوں کو اس کام کی باتیں بتاتا ہے لیکن جب خدا رسول کی باتیں یا نماز روزہ کے مسائل سکھانے کو کہا جائے تو کہہ دیتے ہیں کہ جی اجے نیانا اے۔ یعنی ابھی یہ بہت چھوٹا بچہ ہے۔ حالانکہ تم اسے زبان سکھاتے ہو، آدابِ مجلس سکھاتے ہو، پیشہ کی باتیں سکھاتے ہو، زمیندارہ کی باتیں بتاتے ہو اور کبھی تمہیں یہ خیال نہیں آتا کہ یہ ''نیانا'' یعنی چھوٹا بچہ ہے لیکن جب دین کا سوال ہو تو جھٹ کہہ دیتے ہو کہ یہ ''نیانا'' ہے۔ کیا دین ہی ایک ایسی چیز ہے جو سمجھی نہ جا سکے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا ہے کہ بچہ کے پیدا ہوتے ہی اس کے کان میں اذان دی جائے۔[2] مگر افسوس ہے کہ خدا اور رسول نے جن باتوں کو ابتداء میں سکھانے کی ہدایت کی ہے ان کو پیچھے ڈال دیا جاتا ہے اور یہ نہیں سمجھتے کہ سکھانے اور تعلیم دینے کا بہترین وقت بچپن ہی ہے۔ اس عمر میں

جو بات سکھائی جائے وہ میخ کی طرح دل میں گڑ جاتی ہے۔ بچوں کو لوگ کہانیاں سناتے ہیں جن میں بھُوت پریت کا ذکر ہوتا ہے اور ان کا طبیعت پر ایسا اثر ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے بچپن میں ایسی کہانیاں سنی ہیں وہ ان باتوں کے خلاف دلیلیں دیں گے، تقریریں کریں گے مگر ان کی اپنی زندگی کے مختلف شعبوں میں ان باتوں کا اثر ضرور ظاہر ہوگا۔ وہ لوگوں کو ان باتوں کا غلط ہونا بتائیں گے اور اس کیلئے تقاریر بھی کریں گے مگر بعض دفعہ وہ خود شک میں پڑ جائیں گے۔

۱۹۱۳ء میں حضرت خلیفہ اوّل کے عہدِ خلافت میں جب مَیں نے ''الفضل'' جاری کیا تو ڈیکلریشن کیلئے گورداسپور جانے لگا۔ ایک دوست نے دریافت کیا کہ آپ کہاں جاتے ہیں۔ میں نے بتایا تو کہنے لگے کہ آج تو منگل ہے، آج نہ جائیں۔ میں نے کہا کہ منگل ہے تو کیا حرج ہے۔ کہنے لگے کہ یہ بڑا منحوس دن ہے، آپ نہ جائیں۔ میں نے کہا کہ میں نے تو اس کی نحوست کوئی نہیں دیکھی اور اگر اللہ تعالیٰ کی برکت ہو تو منگل کی نحوست کیا کر سکتی ہے اور میں تو ضرور آج ہی جاؤں گا۔ کہنے لگے کہ آپ چلے جائیں لیکن یاد رکھیں کہ اوّل تو ٹانگہ رستہ میں ہی ٹوٹے گا نہیں تو ڈپٹی کمشنر دورہ پر ہوگا۔ اور اگر وہ دورہ پر نہ ہؤا تو بھی اسے کوئی ایسا کام درپیش ہوگا کہ مل نہیں سکے گا اور اگر ملنے کا موقع بھی مل جائے تو مجھے ڈر ہے کہ وہ درخواست ردّ نہ کر دے مگر میں نے کہا کہ چاہے کچھ ہو میں تو ضرور منگل کو ہی جاؤں گا۔ شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی بھی میرے ساتھ تھے۔ چنانچہ ہم گئے تو ڈپٹی کمشنر وہیں تھا۔ ہم اس کے مکان پر گئے اور جا کر اطلاع کرائی کہ ڈیکلریشن داخل کرنا ہے۔ اس نے کہا کہ آپ کچہری چلیں میں ابھی آتا ہوں۔ چنانچہ وہ فوراً کچہری آ گیا اور چند منٹ میں اس نے ڈیکلریشن منظور کر لیا اور ہم جلدی ہی فارغ ہو گئے۔ یہاں سے کوئی سات آٹھ بجے چلے تھے اور کوئی تین چار بجے واپس آ گئے۔ چونکہ اُن دنوں اِکّوں میں سفر ہوتا تھا اور اس کے یکطرفہ سفر پر ہی کئی گھنٹے لگ جاتے تھے، جب اس دوست نے ہمیں واپس آتے دیکھا تو یقین کر لیا کہ یہ اس قدر جلد جو واپس آئے ہیں تو ضرور ناکام آئے ہوں گے اس لئے دیکھتے ہی کہا کہ اچھا آپ واپس آ گئے۔ ڈپٹی کمشنر غالباً وہاں نہیں ہوگا۔ میں نے کہا کہ وہ وہیں تھا، مل بھی گیا اور کام بھی ہو گیا۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ میں مان ہی نہیں سکتا کہ اس نے اتنی جلدی آپ کو فارغ کر دیا ہو۔ میں نے کہا منگل جو تھا۔

تو اچھے اچھے پڑھے لکھے آدمی منگل کی نحوست کے قائل ہوتے ہیں۔ ان کے سامنے اگر کوئی اور ایسی باتیں کرے تو کہیں گے کہ فضول ہیں، کیا کوئی عقلمند ان کو مان سکتا ہے۔ مگر منگل کی نحوست کا وہم چونکہ بچپن سے سنتے آئے ہیں اس لئے یہ دل سے نہیں نکلے گا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی منگل کے متعلق ایسا فرمایا ہے۔ میں کہتا ہوں ممکن ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بذریعہ الہام بتایا گیا ہو کہ آپ کیلئے منگل کے دن کوئی واقعہ ہونے والا ہے چنانچہ آپ کی وفات منگل ہی کے روز ہوئی۔ پس کسی خاص واقعہ کی وجہ سے اگر کسی دن کا طبیعت پر مخالفانہ اثر ہو تو حقیقتاً اس دن کی نحوست نہیں کہلائے گی بلکہ اس کا تعلق ایک تکلیف دہ واقعہ سے بتائے گی۔ یہی حال برکات کا ہے۔ جمعہ کو ہم بابرکت کہتے ہیں اور اس کی وجہ جمعہ کے دن کا سورج نہیں بلکہ جمعہ کی عبادات ہیں۔ یا رمضان کو مبارک کہتے ہیں اس کی وجہ بھی مہینہ کی برکت نہیں بلکہ ان ایام کی عبادات ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعرات اور ہفتہ کو سفر کیلئے مبارک کہا ہے۔ اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ جمعرات یا ہفتہ کے دن سفر کرنے والا جمعہ کی نماز کو محفوظ کر لیتا ہے یا کم سے کم جمعہ کی نماز کی ہتک کرنے سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

تو حقیقت یہ ہے کہ بچپن کے اثرات بہت دور تک جاتے ہیں۔ عام طور پر ہر انسان سوائے اس کے کہ جسے عادت ہو اندھیرے میں گھر سے باہر جانے سے گھبراتا ہے اور اس کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ اسے چور چکار کا ڈر ہوتا ہے بلکہ اس کی وجہ وہ کہانیاں ہوتی ہیں جو بچپن میں بچوں کو سنائی جاتی ہیں اور جن کا تعلق اندھیرے سے ہوتا ہے۔ اگر پوچھا جائے کہ گھبراہٹ کی وجہ کیا ہے تو کوئی وجہ اس کیلئے پیش نہیں کی جاسکتی کیونکہ عقل تو مانتی نہیں کہ یہ باتیں صحیح ہیں۔ اس کی وجہ وہ مخفی اثر ہوتا ہے جو بچپن میں طبیعت پر پڑتا ہے اور پھر ساری عمر ساتھ جاتا ہے اور اس کا موجب صرف والدین، بھائی بہن، اردگرد کے لوگوں اور قصوں کہانیوں کا اثر ہوتا ہے اور اس کے بعد پھر عادت کا اثر ہوتا ہے۔ کئی ہندو مسلمان ہونے کے بعد بھی عرصہ تک گائے کے گوشت سے گھبراتے ہیں۔ سردار فضل حق صاحب جو حضرت مسیح موعو علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں مسلمان ہوئے تھے اور اب فوت ہوئے ہیں، یہاں مہمان خانہ میں بعض اوقات دوست کہتے تھے

کہ لاؤ ان کو گائے کا گوشت کھلائیں تو وہ بالکل انکار کر دیتے تھے اور ان کے آگے آگے بھاگے پھرتے تھے اور اگر کبھی دوست پکڑ کر زبردستی کرنا چاہتے تو چُھڑا کر بھاگ جانے کی کوشش کرتے۔ بہت عرصہ بعد بعض دوستوں نے بغیر بتائے انہیں گائے کا گوشت کھلا دیا لیکن جب انہیں بتایا گیا تو انہیں قَے ہوگئی۔ تو انسان کی طبیعت پر بچپن کی بات کا بہت اثر ہوتا ہے اسی لئے انسان کے بچپن کی عمر اللہ تعالیٰ نے لمبی کی ہے۔ کیونکہ یہی اس کے سیکھنے کی عمر ہے۔ جانور کے بچہ نے چونکہ ماں باپ سے تربیت حاصل نہیں کرنی ہوتی اس لئے اس کا بچپن انسان کے بچپن کی نسبت سے بہت چھوٹا ہوتا ہے۔ اگر ایک جانور کی عمر تیس سال ہو تو اس کا بچہ چھ ماہ سے دو سال تک کی عمر میں جوان ہو جاتا ہے اور اس طرح اس کی تمام عمر اور بچپن کی عمر میں اوسطاً ایک اور تیس کی نسبت ہوتی ہے۔ لیکن انسان کے بچہ کے بالغ ہونے کی عمر اٹھارہ سال ہے اور اگر اوسط عمر پچاس سال سمجھی جائے تو گویا دونوں میں ایک اور تین کی نسبت ہے۔ اگر انسان کیلئے بھی یہی نسبت ہوتی تو اس کیلئے کل عمر ۱۸×۳۰ یعنی پانچ سَو چالیس سال کی ہونی چاہئے تھی لیکن جانوروں کی نسبت انسانی بچپن کا زمانہ بہت زیادہ ہے۔ جانور چھ ماہ یا سال یا حد دو سال میں جوان ہو جاتا ہے لیکن انسان اٹھارہ سال کی عمر میں۔ غرض جانور کی بلوغت کی عمر اور اس سے پہلی عمر میں بہت فرق ہے لیکن انسان کی عمر میں یہ فرق بہت کم ہے۔ بعض ڈاکٹروں نے اس فرق کو دیکھ کر یہ خیال کیا ہے کہ شاید انسان کی عمر خوراک وغیرہ کی غلطی سے کم ہوگئی ہے لیکن بات یہ نہیں۔ لوگ مادی ہونے کی وجہ سے مادیات سے نگاہ اوپر نہیں اٹھا سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے چونکہ علمی وجود بنانا تھا اس لئے اس نے یہ انتظام کر دیا کہ وہ ماں باپ کے پاس زیادہ سے زیادہ عرصہ تک رہ سکے تا ان سے سیکھ سکے اور جانوروں میں چونکہ ماں باپ پر تعلیم کی ذمہ داری نہیں ہوتی اس لئے ان کے قبضہ میں بہت تھوڑا عرصہ بچہ کو رکھا ہے۔ لیکن انسان کی تعلیمی ذمہ داری اس کے ماں باپ پر رکھی ہے اس لئے اس کے بچپن کا زمانہ لمبا کیا ہے تا اگر ماں باپ اپنا فرض ادا کرنا چاہیں تو کر سکیں۔

پھر بچوں کے بعد خاوند اور بیوی کا تعلق ہے۔ عورتوں پر بھی تربیت کا حق ہے۔ یوں تو اللہ تعالیٰ نے دونوں کو یکساں بنایا ہے لیکن یہ بھی فرمایا کہ مرد کو چونکہ ہم نے مربی بنایا ہے اس لئے

اس کے اختیارات انتظام کے لحاظ سے زیادہ رکھے ہیں اور تربیت کے اختیارات میں مرد کو مقدم رکھا ہے اور مردوں پر عورتوں کی اصلاح کی ذمہ داری رکھی گئی ہے۔ یوں تو سارے بنی نوع انسان کی اصلاح کی ذمہ داری مؤمن پر ہوتی ہے لیکن اپنے بیوی بچوں کی اصلاح کی ذمہ داری خصوصیت کے ساتھ ہے۔ مگر افسوس ہے کہ لوگ بالعموم اپنے بیوی بچوں کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ ایک مخلص دوست تھے جو اَب فوت ہو چکے ہیں، ان کے لڑکے نے ایک دفعہ مجھے لکھا کہ مجھے میرے والد صاحب اخبار ''الفضل'' خرید کر نہیں دیتے۔ آپ ان کو لکھیں کہ میرے نام جاری کرا دیں۔ وہ لڑکا سکول یا کالج میں پڑھتا تھا۔ اس نے لکھا کہ ہماری اور دینی تعلیم کا تو سامان نہیں کم سے کم اخبار سے سلسلہ سے لگاؤ رہے گا۔ اس کے والد اچھے آسودہ حال آدمی تھے۔ میں نے ان کو خط لکھوایا تو انہوں نے جواب دیا کہ اصل بات یہ ہے کہ بچوں کا ایمان ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ انہیں آزادی ہونی چاہئے کہ خود تحقیقات کریں اور جو نتیجہ چاہیں نکالیں۔ بہرحال مجھے اپنے بچہ کی شکایت پر خوشی ہے کہ اس کو احمدیت کی طرف توجہ ہوئی میں اخبار اس کے نام جاری کرا دوں گا۔ اب بظاہر تو یہ بات بہت خوشنما ہے کہ گویا وہ حریتِ ضمیر کے قائل تھے لیکن کیا ہندو، عیسائی اور یہودی وغیرہ دیگر مذاہب کے لوگ اپنے بچوں کو یونہی چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر ہم اس اصول پر کاربند ہوں تو اس کے یہ معنے ہوں گے کہ باطل کے سرپرست اپنے بچوں کو باطل کی تعلیم دیں لیکن اسلام کے خدام اپنے بچوں کو چھوڑ دیں کہ جو چاہے ان کا شکار کر کے لے جائے۔ یقیناً جو شخص بچوں کی اصلاح کے طریقوں کو بھی حریتِ ضمیر کے خلاف سمجھے گا اس کے بچے گمراہی کا شکار ہونے کے خطرہ میں رہیں گے۔

پس بیوی بچوں کی اصلاح کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ اس لئے جو بھی تحریک ہو اسے اِس قدر عام کرنا چاہئے کہ وہ بچوں اور عورتوں تک بھی پہنچ جائے ورنہ اس کے وہ عظیم الشان نتائج نہیں نکل سکیں گے جو نکلنے چاہئیں اور جن کو دیکھ کر دنیا دنگ رہ جائے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ بچپن کی تربیت بہت اعلیٰ درجہ کے نتائج پیدا کرتی ہے۔ ایمانی لحاظ سے دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو خود تحقیق کر کے ایمان لایا جائے اور یا پھر بچپن کی تربیت ایسی ہو۔ تحقیق کے ذریعہ سب کے سب لوگوں کا ایمان حاصل کرنا تو انبیاء کے زمانہ میں ہوتا ہے۔ بعد کے زمانوں میں

یہ موقع بہت کمزور ہو جاتا ہے اور جو لوگ مؤمنوں کے گھروں میں پیدا ہوں ان کیلئے تربیت ہی سے ایمان کا کمال مقدر ہے۔ حضرت مسیح موعو علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں جماعت کے حالات اور عقائد کے دلائل سے بچہ بچہ واقف ہوتا تھا کیونکہ چاروں طرف مخالف ہی مخالف تھے اور ہر وقت ہمارے کانوں میں یہی آواز پڑتی تھی کہ فلاں مسئلہ پر یہ اعتراض ہؤا ہے اور اس کا جواب یہ ہے۔ یہی ہماری جِدّ[۳] تھی اور یہی ہمارا کھیل تھا جو ہم کھیلا کرتے تھے۔ مگر اب دارالفضل یا دارالرحمت کے بچوں کے سامنے کوئی سوال رکھ دیا جائے تو وہ اس کا جواب نہیں دے سکیں گے اور انہیں اتنی واقفیت دس سال میں بھی نہیں ہو سکتی جتنی ہمیں ایک سال میں ہو جاتی تھی کیونکہ اب ہمارے بچوں کے کان اعتراضات سے آشنا نہیں ہیں۔ قادیان یا کسی اَور جگہ کے بچے جہاں جماعت زبردست ہو وہ احمدیت کے اہم مسائل سے بھی تفصیلاً بغیر تعلیم کے آگاہ نہیں ہو سکتے لیکن ہمیں بچپن میں ان کی خبر تھی۔ مجھے یاد ہے میں بہت ہی چھوٹا تھا ہمارے گھر میں دادا صاحب کے زمانہ کی ایک کتاب تھی جس میں لکھا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جبریل کا آنا بند ہو گیا ہے۔ ایک اور بچہ کہیں باہر سے آیا ہؤا تھا اس نے کہا یہ بات ٹھیک ہے مگر میں نے کہا کہ کیوں تم کس طرح اسے صحیح کہتے ہو اور بچپن میں جیسے دلائل ہوتے ہیں ان کے ساتھ میں نے اس خیال کا ردّ کیا اور کہا کہ ہمارے ابا کو الہام ہوتے ہیں۔ آخر میں نے اسے کہا کہ چلو حضرت صاحب سے پوچھیں اور ہم کتاب لے کر حضور کے پاس پہنچے۔ حضور نے ہم دونوں کی بات سن کر فرمایا کہ یہ لڑکا غلط کہتا ہے، ہم پر جبریل نازل ہوتا ہے۔ تو اس زمانہ میں ہم چونکہ چاروں طرف سے دشمنوں سے ہی گھرے ہوئے تھے یا پرانا لٹریچر ہمارے سامنے رہتا تھا اس لئے وہ باتیں ہر وقت کان میں پڑتی رہتی تھیں مگر اب یہاں ہر طرف احمدی ہی احمدی ہیں اور پرانا لٹریچر بھی احمدی بچوں کے سامنے نہیں آتا اس لئے دشمن کی بات تو پہنچ نہیں سکتی اور اپنے کچھ سناتے نہیں اس لئے تختی کوری کی کوری ہی رہتی ہے۔ دشمن کی بات اس لئے نہیں سن سکتے کہ دوستوں سے گھرے ہوئے ہیں اور دوست سستی کر رہے ہیں نتیجہ یہ ہے کہ بالکل کورے کے کورے رہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں وہ جوش وخروش کہاں رہ سکتا ہے۔ پس سلسلہ کی تحریکات سے ہر فرد کو واقف کرنا اہم قومی فرائض میں سے ہے۔

میں نے تحریک جدید کے سلسلہ میں جلسوں کے انعقاد کا اعلان اس سال کیلئے نہیں کیا کیونکہ میں نے محسوس کیا تھا کہ یہ جلسے بھی رسمی ہو کر رہ گئے تھے۔ لوگ شوق سے شریک نہیں ہوتے تھے۔ جہاں ساٹھ ستر احمدی ہوئے ان میں سے چند ایک آ گئے۔ میں غور کر رہا تھا کہ اس نقص کا ازالہ کس طرح کیا جائے۔ چنانچہ اس کی اصلاح کی تجاویز پر غور کرنے کے بعد میں نے مناسب سمجھا کہ تحریک جدید کے الگ سیکرٹری ہوں جن کے سامنے خاص یہی کام ہو۔ ایک سیکرٹری عام تحریکات کیلئے ہو اور دوسرا سیکرٹری چندوں کیلئے ہو اور ان کا فرض ہو کہ اس تحریک سے نہ صرف جماعت کے ہر مرد کو بلکہ عورتوں اور بچوں کو بھی واقف کریں۔ اگرچہ اب تک ساری جماعتوں نے سیکرٹری مقرر نہیں کئے مگر ایک معتد بہ حصہ نے سیکرٹری مقرر کر دیئے ہیں اس لئے اب میں اعلان کرتا ہوں کہ جولائی کے آخری ہفتہ میں جو اتوار آئے (یہ ۳۱؍جولائی کا دن ہوگا) اس میں تحریک جدید کے جلسے کئے جائیں اور اس دوران میں متواتر جلسے ہوتے رہیں جن میں اس جلسہ میں لوگوں کو شامل ہونے کیلئے تیار کیا جائے۔ اس عرصہ میں کم سے کم تین جلسے تو ضروری کئے جائیں۔ ایک مردوں کیلئے، ایک عورتوں کیلئے اور ایک بچوں کیلئے۔ پس سیکرٹریان تحریک جدید کا یہ فرض ہے کہ جس میں اگر دوسرے سیکرٹری بھی مدد دیں تو وہ بھی ثواب میں شریک ہو جائیں گے کہ اس بڑے جلسہ تک کم سے کم تین جلسے ایسے کرا دیں جن میں سے ایک خالص عورتوں کیلئے، ایک خالص مردوں کیلئے اور ایک خالص بچوں کیلئے ہو اور ان میں علیحدہ علیحدہ وہ حصے بیان کئے جائیں جو ان سے تعلق رکھتے ہوں۔ اگر زیادہ جلسے ہو سکیں تو اور بھی اچھا ہے۔ جب جماعت کے ان تینوں حصوں کو اچھی طرح تحریک جدید کی اغراض سے واقف کر دیا جائے گا تو پھر بڑا جلسہ کیا جائے اور اس صورت میں امید ہے کہ جماعت کے تمام افراد میں خاص جوش پیدا ہو چکا ہوگا اور وہ اس کی اہمیت سمجھ لینے کی وجہ سے خاص طور پر اس میں حصہ لینے کیلئے تیار ہوں گے اور اس آخری بڑے جلسہ کا جو خواہ مرد عورت کا بالالتزام پردہ مشترک ہو یا الگ الگ بہت فائدہ ہوگا۔ اب تو یہ حالت ہے کہ مثلاً جن باتوں کا تعلق عورتوں سے ہے ہم ان پر زور نہیں دے سکتے کیونکہ مردوں نے ان کو اطلاع بھی نہیں دی۔

سادہ زندگی اختیار کرنے اور اسراف سے بچنے میں عورتیں بہت بڑی روک ہوتی ہیں۔

اگر ہم نے دنیا میں اسلام کے صحیح نقش و نگار کو قائم کرنا ہے تو ہمارا فرض ہے کہ سب روکوں کو دور کریں۔ میں نے دیکھا ہے کہ چونکہ ہماری جماعت کی عورتوں اور بچوں کی تربیت صحیح رنگ میں نہیں ہوتی اس لئے مرد جب کوئی کام کرنے لگتے ہیں وہ ان کے رستہ میں روک ہو جاتی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ بعض عورتیں مردوں سے بھی بڑھی ہوئی ہیں بلکہ بعض میرے پاس شکایتیں کرتی رہتی ہیں کہ ہمارے مرد سست ہیں، فلاں مرد نماز نہیں پڑھتا، فلاں چندہ میں سست ہے اور ان میں مردوں سے بھی زیادہ اخلاص ہے۔ یہ عورتیں اللہ تعالیٰ کے دفتر میں یقیناً اپنے مردوں سے افضل ہیں اور ان کے مرد خدا تعالیٰ کے دفتر میں ان کی رعایا ہیں اور جبراً ان سے وصول کر کے دیتی ہیں۔

پس عورتوں اور بچوں کی تربیت اگر صحیح رنگ میں کی جائے تو بہت اچھے نتائج پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس لئے میری تجویز ہے کہ آج سے لے کر جولائی کے آخری ہفتہ تک قادیان کی بھی اور بیرونجات کی بھی تمام جماعتیں جلسے کریں اور تحریک جدید کے مطالبات کی طرف مردوں، عورتوں اور بچوں کو متوجہ کریں اور جنہوں نے چندے لکھوائے ہوئے ہیں ان کو تحریک کریں کہ فوراً ان کو ادا کریں بلکہ کوشش کریں کہ اس جلسہ تک تمام چندے ادا ہو جائیں۔ اور جنہوں نے گزشتہ وعدے پورے نہیں کئے ان کو تحریک کریں کہ وہ آئندہ ہی پورے کریں اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے وارث بنیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے ہمیشہ کھلے ہیں۔ اگر کسی نے پہلے سستی کی ہے تو وہ آئندہ اس کا ازالہ کر کے آگے بڑھ سکتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صاحبزادہ سید عبداللطیف صاحب شہید کے متعلق لکھا ہے کہ آپ پیچھے آئے مگر بہتوں سے آگے نکل گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ پہلے ایمان لا چکے تھے اور حضرت عمرؓ بعد میں لائے مگر سب سے آگے بڑھ گئے۔

پس اگر کسی کے اندر سچی توبہ اور حقیقی تبدیلی پیدا ہو جائے تو وہ اپنی گزشتہ سُستیوں اور غفلتوں کا ازالہ کر سکتا ہے ہاں اس کیلئے بہت زیادہ کوشش کی ضرورت ہوتی ہے، اپنے دل کا خون کرنا ہوتا ہے اور اگر چند گھنٹوں کیلئے بھی کوئی دل کو خون کر دے تو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔

پس مت خیال کرو کہ جو گزشتہ سالوں میں اس تحریک میں حصہ نہیں لے سکے ان کیلئے رحمت کے دروازے بند ہو چکے ہیں۔ توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے۔ جو شخص نیکی کو شروع کر کے آخر تک لے جاتا ہے یا جو درمیان سے شامل ہو کر آخر تک ساتھ جاتا ہے وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔ ناکام وہی ہوتا ہے جو رستہ میں چھوڑ کر بیٹھ جاتا ہے۔ ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ بھی کہتا ہے کہ تم نے ہمیں چھوڑ دیا اس لئے ہم تمہیں چھوڑتے ہیں۔ مگر جو دیر سے آتا ہے اور توبہ کرتا اور کوشش کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ سے مل سکے وہ ضائع نہیں کیا جاتا۔ حضرت مسیح ناصری نے اس کیلئے کیا اچھی مثال دی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ:-

کسی ایک شخص کے دو بیٹے تھے۔ ان میں سے چھوٹے نے باپ سے کہا کہ اے باپ مال کا حصہ جو مجھے پہنچتا ہے مجھے دے۔ اس نے مال انہیں بانٹ دیا اور بہت دن نہ گزرے کہ چھوٹا بیٹا اپنا سب کچھ جمع کر کے دور دراز ملک کو روانہ ہوا اور وہاں اپنا مال بدچلنی میں اُڑا دیا۔ اور جب سب خرچ کر چکا تو اس ملک میں سخت کال پڑا اور وہ محتاج ہونے لگا۔ پھر اس ملک کے ایک باشندے کے ہاں جا پڑا۔ اس نے اس کو اپنے کھیتوں میں سؤر چرانے بھیجا اور اسے آرزو تھی کہ جو پھلیاں سؤر کھاتے تھے انہی سے اپنا پیٹ بھرے مگر کوئی اسے نہ دیتا تھا۔ پھر اس نے ہوش میں آ کر کہا کہ میرے باپ کے کتنے ہی مزدوروں کو روٹی افراط سے ملتی ہے اور میں یہاں بھوکا مر رہا ہوں۔ میں اُٹھ کر اپنے باپ کے پاس جاؤں گا اور اس سے کہوں گا کہ اے باپ! میں آسمان کا اور تیری نظر میں گنہگار ہؤا۔ اب اس لائق نہیں رہا کہ پھر تیرا بیٹا کہلاؤں۔ مجھے اپنے مزدوروں جیسا کر لے۔ پس وہ اٹھ کر اپنے باپ کے پاس چلا۔ وہ ابھی دور ہی تھا کہ اسے دیکھ کر اس کے باپ کو ترس آیا اور دوڑ کر اس کو گلے لگا لیا اور بوسے لئے۔ اپنے نوکروں سے کہا کہ اچھے سے اچھا جامہ جلد نکال کر اسے پہناؤ اور اس کے ہاتھ میں انگوٹھی اور پاؤں میں جوتی پہناؤ اور پلے ہوئے بچھڑے کو لا کر ذبح کرو تا کہ ہم کھا کر خوشی منائیں۔ کیونکہ یہ میرا بیٹا مُردہ تھا اب زندہ ہؤا،

کھویا ہؤا تھا اب ملا ہے۔ پس وہ خوشی منانے لگے۔ لیکن اس کا بڑا بیٹا کھیت میں تھا۔ جب وہ آ کر گھر کے نزدیک پہنچا تو گانے بجانے اور ناچنے کی آواز سنی اور ایک نوکر کو بلا کر دریافت کرنے لگا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اس نے اس سے کہا کہ تیرا بھائی آ گیا ہے اور تیرے باپ نے پلا ہؤا بچھڑا ذبح کرایا ہے اس لئے کہ اسے بھلا چنگا پایا۔ وہ غصے ہؤا اور اندر جانا نہ چاہا۔ مگر اس کا باپ باہر جا کر اسے منانے لگا۔ اس نے اپنے باپ سے جواب میں کہا کہ دیکھ اتنے برس سے میں تیری خدمت کرتا ہوں اور کبھی تیری حکم عدولی نہیں کی۔ مگر مجھے تو نے کبھی ایک بکری کا بچہ بھی نہ دیا کہ اپنے دوستوں کے ساتھ خوشی مناتا لیکن جب تیرا یہ بیٹا آیا جس نے تیرا مال کسبیوں میں اڑا دیا تو اس کیلئے تُو نے پلا ہؤا بچھڑا ذبح کیا۔ اس نے اس سے کہا کہ بیٹا تُو تو ہمیشہ میرے پاس ہے۔ اور جو کچھ میرا ہے وہ تیرا ہی ہے لیکن خوشی منانی اور شادماں ہونا مناسب تھا۔ کیونکہ تیرا یہ بھائی مُردہ تھا اب زندہ ہؤا، کھویا ہؤا تھا، اب ملا ہے۔[۴]

اس میں حضرت مسیح علیہ السلام بتاتے ہیں کہ اے لوگو! جو گنہگار توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کے پاس آ جاتا ہے وہ اس کیلئے ویسی ہی خوشی دکھاتا ہے جیسی اس باپ نے دکھائی تھی اور یہ دراصل اللہ تعالیٰ کی رحمت اور شفقت کی نہایت لطیف مثال ہے۔ لوگ آنے والے کو طعنہ دیتے ہیں کہ جھک مار کر واپس آ گیا اور کہتے ہیں کہ کم بخت جب طاقت اور ہمت تھی اس وقت تو ساتھ نہ دیا اور اب آیا ہے لیکن جب کوئی گنہگار توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور آئے تو وہ اسے یاد بھی نہیں دلاتا کہ تم نے کیا کیا قصور کئے تھے بلکہ خوش ہوتا ہے کہ اس کا کھویا ہؤا بندہ واپس آیا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اس کا نام غفار، ستار اور مُکَفِّرٌ عَنِ السَّیِّئَاتِ آیا ہے۔ غفار کے معنے ہیں کہ وہ معاف کر دیتا ہے اور سزا نہیں دیتا۔ ستار کے معنے ہیں کہ وہ بندے کے گناہوں کو بعد میں بھی یاد نہیں دلاتا۔ اور مکفر کے معنے ہیں کہ مستقبل میں گناہوں کے بدنتائج کو بھی مٹا ڈالتا ہے۔ مثلاً ایک شخص نے ایسی روٹی کھائی کہ جس کے نتیجہ میں اس کے پیٹ میں درد ہونے والا ہے تو وہ اگر توبہ کرے تو خدا تعالیٰ ان نتائج کو مٹا دیتا ہے جو اس روٹی سے نکلنے والے تھے اور

انسان کے گزشتہ گناہوں کو نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ خود یاد نہیں دلاتا بلکہ دوسرے جن انسانوں کو ان کا علم ہوتا ہے ان کے دلوں سے بھی ان کو مٹا دیتا ہے۔ پس تم مت خیال کرو کہ تم سے پہلے کوتاہی ہوئی ہے۔ اگر تم سچی توبہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ سب بھلا دے گا بلکہ دوسرے جاننے والوں کے دلوں سے بھی مٹا دے گا۔ پس دوست جولائی کے آخری اتوار تک جلسے کریں۔ عورتوں، بچوں اور مردوں کا کم سے کم ایک ایک جلسہ ضرور کیا جائے جن میں تحریک جدید کے چندہ نیز دوسرے مقاصد کے متعلق کھول کر بیان کیا جائے اور پھر کوشش کی جائے کہ اس جلسہ تک چندہ کا بہت سا حصہ جمع ہو جائے۔ احباب نے شروع شروع میں چندوں کی ادائیگی میں سُستی کی تھی مگر میرے اعلانوں کے نتیجہ میں بہت حد تک چندے ادا ہو گئے ہیں۔ سیکرٹریان تحریک جدید کو سمجھنا چاہئے کہ اب ان کی ذمہ داری کے امتحان کا وقت آ گیا ہے۔ ثواب صرف نام سے نہیں بلکہ کام سے ہوتا ہے اس لئے کوشش سے کام کریں اور کم سے کم ایک ایک جلسہ عورتوں، مردوں اور بچوں کا کرا دیں جس میں تحریک جدید کے تمام شعبے کھول کھول کر بیان کئے جائیں اور پھر جولائی کے آخر میں جو جلسہ ہو وہ رسمی نہ ہو بلکہ حقیقی ہو۔

مجھے افسوس ہے کہ پچھلے جلسے قادیان میں بھی رسمی ہوتے رہے ہیں اور بہت کم لوگ شامل ہوتے رہے ہیں حالانکہ چاہئے تھا کہ بیرون جات سے بھی لوگ شامل کئے جاتے اور قادیان کے بھی سب دوست شامل ہوتے۔ اب میں امید کرتا ہوں کہ اب باہر کے بھی اور قادیان کے دوست بھی اس کوتاہی کو دور کریں گے۔ مجلس خدام الاحمدیہ کیلئے خدمت کا یہ ایک موقع ہے۔ اس کے والنٹیر لوگوں کے گھروں میں جائیں اور مردوں اور بچوں کو شریک کریں اور لجنہ اماء اللہ عورتوں میں تحریک کرے اور سب کوشش کریں کہ یہ جلسے بہتر سے بہتر صورت میں ہوں اور ہر احمدی تک یہ پیغام پہنچ جائے تا کوئی نہ کہہ سکے کہ مجھے پتہ نہیں تھا۔ ابھی سفر سندھ کے دوران میں مجھے بعض خطوط ملے جن میں ذکر تھا کہ ہمیں تو چار سال میں تحریک جدید کا علم بھی نہیں ہوا۔ اور جب ہم ایک چھوٹی سی جماعت تک بھی یہ پیغام نہیں پہنچا سکے تو ساری دنیا تک کس طرح پہنچائیں گے۔ پس ضروری ہے کہ ہر ایک کو پوری طرح واقف کر دیا جائے تا عمل کرنے کی روح پیدا ہو سکے۔ اور آخری جلسہ میں لوگوں سے اس عہد کی تجدید کرائی جائے کہ وہ اسلامی تعلیم کے

ماتحت اپنی زندگیاں بسر کریں گے اور اپنے وعدے پورے کریں گے۔

تجدیدِ عہد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صوفیاء سے ثابت ہے جسے بیعت ارشاد کہا جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کئی دفعہ لوگوں سے فرمایا کرتے تھے کہ دوبارہ بیعت کرلو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کے بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے ستّر ستّر اور سَو سَو مرتبہ بیعت کی۔ یعنی جب بھی موقع ملتا وہ شامل ہو جاتے۔ تو تجدید عہد خوبی کی بات ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ دوست اس ڈیڑھ ماہ کے عرصہ میں جماعت کے اندر نئی بیداری اور نئی روح پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔ یہ عہدیداران کے بھی امتحان کا وقت ہے اور مجلس خدام الاحمدیہ کے ممبروں کا بھی اور باقی جماعت کا بھی۔ آخر میں مَیں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی توفیق دے کہ میں سچائیوں کو کھول کھول کر بیان کر سکوں اور جماعت کو بھی توفیق دے کہ ان کو قبول کر سکے اور ان پر عمل کر سکے۔ آمین۔'' (الفضل ۲۲ / جون ۱۹۳۸ء)

۱؎ الفاتحة:۲

۲؎ کنز العمال جلد ۱۶ صفحہ ۵۹۹۔ مطبوعہ حلب ۱۹۷۷ء

۳؎ جِدّ: کوشش۔ سعی

۴؎ لوقا باب ۱۵ آیت ۱۱ تا ۳۲۔ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لندن ۱۸۸۷ء (مفہوماً)